© rasailojaraid.com

ہے۔ انسان کو ایک محدود پیمانے پر فکر و عمل کی آزادی دی گئی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں لیکن معتزلہ جس بنا پر انسان کو با اختیار ہستی تسلیم کرتے تھے اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھی کہ جس طرح علت کا لگا بندھا سلسلہ خاموش تماشائی کی حیثیت سے مختلف اسباب کے نتائج بر آمد کرتا رہتا ہے اسی طرح باری تعالیٰ بھی انسان کے افعال و اعمال سے بالکل بے تعلق رہ کر ان کے اچھے یا بُرے پہلوؤں کا جائزہ لے کر انہیں جزا و سزا دیتا ہے۔ انسانی اعمال کا رُخ موڑنا اس کا کام نہیں۔ معتزلہ نے خدا کا جو تصور پیش کیا اس کے مطابق اس کی حیثیت الجبرا کے ایک فارمولے سے زیادہ نہیں رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ معتزلہ نے شفاعت کا بھی انکار کر دیا[1]۔ کیونکہ اس عقیدے سے بھی باری تعالیٰ کے صاحبِ ارادہ ہستی ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہی حال انسانی عقل کا ہے۔ انسان کو بلاشبہ شعور اور وقوف عطا کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بار بار اُسے انفس و آفاق پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام نے بعض چیزوں کو حرام اور بعض افعال و اعمال کو جو ناپسندیدہ قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ چیزیں یا وہ اعمال اپنی ذات میں قبیح و مکروہ ہیں۔ شریعت میں عقل کا بھی ایک مقام ہے لیکن یہ سمجھنا کہ شریعت کا سارا انتظام عقل کے تابع ہے بالکل صحیح نہیں۔ عقل، ماحول، حالات، واقعات اور تجربات کے بل بوتے پر کام کرتی ہے اس لیے اس کے فیصلوں میں کبھی سو فیصد صحت نہیں پائی جاسکتی اور اس بنا پر انہیں وہ قطعیت حاصل نہیں ہوسکتی جو ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ معتزلہ نے انسانوں سے عقل کی برتری تسلیم کروانے کے لیے صرف اس بنا پر زور دیا کہ اس سے شریعت میں فیصلہ کُن حیثیت رسول کو حاصل ہونے کی بجائے عقل کو حاصل ہو اور اس طرح انہیں وہ سارے تصورات و اعمال شریعت سے خارج کرنے میں آسانی ہو جو اُن کے زعم کے مطابق خلافِ عقل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ نے بڑی آزادی کے ساتھ شرعی مسائل میں تغیر و تبدل شروع کیا اور اُن سارے معتقدات کو تسلیم کرنے میں تردد ظاہر کیا جو اُن کی نظر میں عقل کے خلاف تھے۔

---

[1] المعتزلہ تالیف زہدی حسن جاراللہ صفحہ ۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اس طرزِ فکر کا ذرا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سے شریعت کا پورا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے بعض اشیاء کو حلال اور بعض کو حرام اور بعض عقائد و نظریات کو مفید اور بعض کو مضر اور بعض اعمال کو پسندیدہ اور بعض کو ناپسندیدہ ٹھیرایا ہے تو اس نے یہ کام اپنے وسیع علم کے مطابق کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے فیصلے حکمت پر مبنی ہیں اور عقلِ سلیم اسے سمجھ سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان کی محدود عقل اُن سارے معتقدات پر پوری طرح حاوی ہوسکے۔ یہی ایمان بالغیب کی بنیاد ہے۔ جب ایک فرد یا گروہ شرعی معاملات میں عقل کو فیصلہ کُن حیثیت دے کر شریعت کو اس کے تابع بناتا ہے تو وہ بالآخر اُن سارے معتقدات کا انکار کرنے پر مجبور ہوگا جو وہ اپنی عقل کے مطابق نہیں پاتا۔ اسی بنا پر معتزلہ نے حوضِ کوثر، پُل صراط، میثاق اور معراج[1] کا انکار کیا اور اُن ساری احادیث کو رد کر دیا جن میں ان کا ثبوت ملتا ہے۔

اسلام میں بیشمار معتقدات ایسے ہیں جنہیں علت و معلول کی کڑیوں میں جوڑا نہیں جا سکتا۔ معتزلہ نے عقل کا سہارا لے کر ان سارے نظریات کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔ اُن کے ہاں علت و معلول کا سلسلہ کتنا اٹل اور ناگزیر تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ دعا کی افادیت کے بھی قائل نہ تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ تقدیرِ الٰہی کو بدلا نہیں جا سکتا اس لیے دعا سے کوئی خاص مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر دعا میں جو مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ باری تعالیٰ کے نقشہ کے مطابق ہے تو وہ دعا نتیجہ خیز ہوسکتی ہے اور اگر وہ اس نقشہ کے خلاف ہے تو پھر وہ بالکل بے اثر ہے۔

معتزلہ کے یہ سارے افکار و نظریات چونکہ اُن کے تصورِ باری تعالیٰ سے ماخوذ ہیں اس لیے آخر میں ہم اسی پر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ معتزلہ کے نظریات کو سمجھنے کے لیے اُن کی بنیادی لغزش کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ حضرات، جیسا کہ میں آغاز میں عرض کر چکا ہوں، یونانی افکار سے مرعوب تھے اور ارسطو کے نزدیک خدا کی حیثیت ریاضی کے ایک کلیہ کی سی تھی جس کے مطابق ہر سبب لازمی طور پر ایک نتیجہ برآمد کرتا ہے۔ علت و معلول کا بے جان اور

---

[1] معتزلہ حضور سرورِ کائنات کے بیت المقدس تک جانے کے قائل تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادہ و اختیار سے یکسر عاری نظام اس پوری کائنات کو میکانکی انداز پر چلا رہا ہے ۔

معتزلہ بڑے طمطراق کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ توحید خالص کے قائل ہیں اور باری تعالیٰ کو ہر قسم کے شرک سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اُن کے قول کے مطابق باری تعالیٰ یکتا ہے اور قدیم ہے اور اس معاملے میں کوئی دوسری صفت یا چیز اس کی شریک و سہیم نہیں ۔ چنانچہ جو لوگ باری تعالیٰ کی صفات کو بھی اُس کی ذات کی طرح قدیم مانتے ہیں وہ درحقیقت توحید خالص کے منکر ہیں ۔ اسی بنا پر معتزلہ نے اس کا انکار کیا کہ خدا کے لیے علم، قدرت، حیات، سمع، بصر وغیرہ قسم کی ازلی صفات بھی ہیں جو اس کی ذات سے الگ ہیں بلکہ خدا بایں معنی قادر، حی، سمیع اور بصیر ہے کہ وہ فی ذاتہ ایسا ہے ۔ اس کی کوئی صفت بھی اس کی ذات پر زائد یا الگ نہیں ۔ صفاتِ قدیمہ کو تسلیم کرنا گویا خدا کے تعدّد کو ماننا ہے ۔ حالانکہ خدا واحد ہے، اس کا کسی جہت اور کسی اعتبار سے بھی کوئی شریک نہیں ہے ۔ اور یقیناً اس کی ذات میں کوئی کثرت نہیں[1] ۔ معتزلہ نے تجرید و تنزیہ کے جوش میں بڑھ کر یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نفس وجود تک کا انتساب غلط ہے ۔ اور باری تعالیٰ کے حق میں موجود و لاموجود کا استعمال صحیح نہیں ۔

جس شخص نے بھی الہامی مذاہب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی باری تعالیٰ کو محض محرّکِ اوّل کے طور پر پیش نہیں کیا ۔ اسلام جس خدا کے تصوّر کو پیش کرتا ہے وہ تجریدی نہیں بلکہ ذات ستودہ صفات ہے جس میں زندگی کی حرارت ہے، جو کائنات کے ساتھ گہری محبت رکھتا ہے، جو صاحبِ ارادہ ہے، جو علیم و بصیر ہے اور کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے نہ صرف اُسے اچھی طرح دیکھتا اور جانتا ہے بلکہ اُس کی براہِ راست نگرانی کر رہا ہے ۔ انسان جب تک ایسی حیّ و قیوم ہستی پر ایمان نہیں لاتا اُس وقت تک اُسے وہ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا جو مذہب انسان کے اندر پیدا کرتا ہے ۔ ریاضی کے لگے بندھے فارمولوں اور علت و معلول کی بے جان کڑیوں یا مجرد تصوّر سے تو اخلاق و روحانیت کے تقاضے

---

[1] فجر الاسلام احمد امین ص ۳۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پورے نہیں ہوتے۔

معتزلہ نے اس سلسلے میں بنیادی غلطی یہ کی کہ انہوں نے اُس نقطۂ نگاہ کو یکسر نظر انداز کیا جس کے مطابق ایک صحیح العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف علم و حکمت یا قدرت وغیرہ صفات کو منسوب کرتا ہے۔ ایک مسلمان صفاتِ الٰہی کے ساتھ بلا کیف کی قید بڑھانا ضروری سمجھتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت اور اُس کی قدرت ایسی نہیں کہ اُسے موجودات کی کسی بھی نوعیت پر قیاس کیا جا سکے۔ انسان جب کسی صفت کا اندازہ کرتا ہے تو اس کا ذہن لازمی طور پر اس چیز کی طرف جائیگا جو اس صفت سے متصف ہے۔ یہ امر ناگزیر ہے۔ لہٰذا صفات کی نفی محض اس بنا پر صحیح نہیں کہ اس سے تجسیم کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

جب باری تعالیٰ کی ذات ازلی اور ابدی ہے تو لامحالہ اُس کی صفات بھی ازلی و ابدی ہونگی وہ ذاتِ برحق اپنی جملہ صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ ذات و صفات کی اس تفریق کا سرچشمہ یونانی فلسفہ ہے جس نے ہیولے و صورت کو الگ الگ ٹھہرایا ہے خارج میں جتنی اشیاء بھی پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب صفات سے متصف ہوتی ہیں بلکہ ان صفات کی وجہ ہی سے ان کی صحیح پہچان کی جاتی ہے اور اسی سے ان کی انفرادیت قائم ہوتی ہے۔ اس صورتِ حال میں کسی شے کو اُس کی صفات سے الگ کر کے تصور کرنا بالکل ناممکن ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات دونوں لازم ملزوم ہیں ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ امام احمد بن حنبل نے کتنا صحیح کہا ہے کہ خدا کی صفات بیان کرتے ہوئے ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ اور اس کا علم، اللہ اور اس کی قدرت اور اللہ اور اس کا نور بلکہ یہ کہتے ہیں:

اللہ یعلمه وقدرته ونوره	اللہ اپنے علم، اپنی قدرت اور نور کے ساتھ ایک
اللہ واحد۔ بل ننطق بما یبین ان	ہی معبود ہے۔ ہم ایسا پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں
صفاته داخلة فی مسمیٰ اسمه	جس سے یہ پتہ چلے کہ اس کی صفات، اس کے

نام، اور مسمیٰ میں داخل ہیں۔ ان سے الگ کوئی چیز نہیں۔ (باقی)

© rasailojaraid.com